HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
AL-HAYAT Research Journal
Jlali Research Institute of Social Science, Lahore
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print): 3006-4759
Volume 2 Issue 1 (Oct-Dec 2024)

قرآنِ مجید میں قلب، صدر، فؤاد اور لُب: مفہوم، مراتب اور باہمی نسبت کا تحقیقی مطالعہ

An Analytical Study of Qalb, Ṣadr, Fu'ād, and Lubb in the Qur'an: Meaning, Hierarchy, and Interrelationship

Hafiz Rashid Yaqub
PhD Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore,
rashidyaqub517@gmail.com

Dr. Muhammad Abdullah
Assistant Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore,
abdullah.is@pu.edu.pk

Abstract

This article presents an analytical study of the Qur'anic concepts of qalb (heart), ṣadr (chest), fu'ād (inner heart), and lubb (pure intellect), examining their meanings, hierarchical order, and interrelationship within the Qur'anic worldview. Drawing on a close reading of Qur'anic verses, classical Arabic lexicons, and major works of Qur'anic exegesis, the study demonstrates that these terms do not function as mere synonyms, nor do they refer simply to a physical organ. Rather, they represent distinct yet interconnected dimensions of human inner consciousness, cognition, and moral responsibility. The article argues that ṣadr denotes the broad and initial inner domain where inclinations, desires, doubts, and openness or constriction toward guidance emerge; qalb functions as the central locus of faith, intention, understanding, and moral choice; fu'ād signifies the subtler faculty of intense perception, inner vision, and affective awareness; and lubb represents purified intellect and reflective consciousness, most clearly embodied in the Qur'anic category of ulū al-albāb. By situating these concepts in a coherent hierarchy, the study highlights the Qur'an's integrated view of knowledge, faith, and action, showing that true guidance is not confined to rational cognition alone but is rooted in a harmonized inner structure combining perception, intention, ethical refinement, and spiritual illumination. The findings contribute to a deeper understanding of Qur'anic anthropology and the moral–epistemic foundations of human accountability in the Qur'an.

Keywords: Qalb, Ṣadr, Fu'ād, Lubb, Qur'anic Anthropology

تمہید

قرآنِ مجید انسان کو محض ایک جسمانی وجود کے طور پر نہیں بلکہ ایک باشعور، بارادہ اور اخلاقی ذمہ داری کے حامل وجود کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس انسانی حقیقت کا مرکز قرآن کی نظر میں وہ باطنی نظام ہے جسے مختلف مقامات پر قلب، صدر، فؤاد اور لُب جیسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ اصطلاحات محض لغوی تنوع یا اسلوبی حسن تک محدود نہیں، بلکہ انسانی ادراک، ایمان، ارادہ، احساس اور معرفت کے مختلف مدارج اور مراتب کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہدایت، ضلالت، ایمان، نفاق، خشوع، قساوت، شرحِ صدر، اندھاپن اور بصیرت جیسے تصورات کو بار بار انہی باطنی اصطلاحات کے ساتھ جوڑا گیا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کے نزدیک انسان کی اصل کامیابی یا ناکامی اس کے باطن سے وابستہ ہے، نہ کہ صرف ظاہری اعمال سے۔ قرآنی مطالعے میں عموماً قلب کو "دل" کے عمومی مفہوم میں لیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں صدر، فؤاد اور لُب جیسے الفاظ اکثر یا تو نظر انداز ہو جاتے ہیں یا محض مترادف سمجھ لیے جاتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کا دقیق اسلوب اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ الفاظ معنوی اعتبار سے نہ صرف باہم مختلف ہیں بلکہ ایک منظم باطنی ترتیب (hierarchy) اور گہری باہمی نسبت کے حامل ہیں۔ کہیں صدر کو وسعت و تنگی، وسوسوں اور باطنی کشمکش کا میدان قرار دیا گیا ہے، کہیں قلب کو ایمان، فہم اور ارادے کا مرکز بتایا گیا ہے، کہیں فؤاد کو شدید ادراک، شہود اور جواب دہ شعور کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اور کہیں لُب کو عقلِ خالص اور اہلِ بصیرت (اُولوالالباب) کی امتیازی صفت کے طور پر نمایاں کیا گیا ہے۔ یہ تنوع دراصل قرآن کے جامع تصورِ انسان کی عکاسی کرتا ہے، جہاں علم، ایمان، اخلاق اور عمل ایک دوسرے سے منقطع

CC BY

نہیں بلکہ باہم مربوط حقیقتیں ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ اسی قرآنی تصورِ باطن کو بنیاد بنا کر قلب، صدر، فؤاد اور لُب کے مفاہیم، مراتب اور باہمی نسبت کا تحقیقی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ اس میں قرآنی آیات کے براہِ راست مطالعے، لغوی مصادر اور کلاسیکی تفاسیر کی روشنی میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن انسان کے باطن کو کس طرح ایک مربوط اور درجہ بہ درجہ نظام کے طور پر پیش کرتا ہے، اور یہ نظام کس طرح انسانی ہدایت، اخلاقی ذمہ داری اور محاسبۂ آخرت سے جڑا ہوا ہے۔ یوں یہ تمہید پورے مضمون کے لیے فکری اساس فراہم کرتی ہے اور قاری کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ قرآن میں "دل" کا تصور محض جذباتی یا جسمانی نہیں بلکہ گہرا علمی، اخلاقی اور روحانی مفہوم رکھتا ہے۔

تعارف

قرآنِ مجید کی تعلیمات میں انسانی باطن کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اور اس باطن کے لیے سب سے زیادہ مستعمل اور جامع اصطلاح **قلب** ہے۔ قرآن کا اسلوب یہ واضح کرتا ہے کہ انسان کی ہدایت، گمراہی، فہمِ وحی، قبولِ نصیحت اور اخلاقی رویّے محض ظاہری اعمال یا جسمانی اعضاء سے وابستہ نہیں بلکہ اس اندرونی مرکز سے تعلق رکھتے ہیں جسے قرآن قلب کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں لفظ قلب نہایت کثرت کے ساتھ مختلف اسالیب اور صیغوں میں استعمال ہوا ہے، جو اس کی معنوی وسعت اور فکری اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔ قلب کو کہیں خطاب کے قابل شعور کی علامت بنایا گیا ہے، کہیں ایمان و نفاق کا معیار، اور کہیں ادراک و فہم کا اصل سرچشمہ قرار دیا گیا ہے، جس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قرآن کے نزدیک انسان کی اصل شناخت اس کے قلبی حال سے متعین ہوتی ہے۔ لفظ قلب قرآنِ مجید میں مجموعی طور پر 132 مرتبہ وارد ہوا ہے اور یہ واحد، تثنیہ اور جمع — تینوں صیغوں میں استعمال ہوا ہے۔ واحد کے صیغے میں یہ انیس (19) مرتبہ آیا ہے، جیسا کہ سورۂ ق میں فرمایا گیا:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُۥ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى ٱلسَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾

یہاں قلب سے مراد محض ایک جسمانی عضو نہیں بلکہ ایسا زندہ اور بیدار باطن ہے جو نصیحت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ تثنیہ کے صیغے میں یہ لفظ صرف ایک مرتبہ سورۂ احزاب میں آیا ہے:

﴿مَّا جَعَلَ ٱللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِۦ﴾

جس سے انسانی باطن کی وحدت اور دوہری وفاداری کے عدمِ امکان کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ جب کہ جمع کے صیغے میں قلب ایک سو بارہ (112) مرتبہ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہے:

﴿سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱلرُّعْبَ﴾

یہ تنوع اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن قلب کو فردی اور اجتماعی، دونوں سطحوں پر انسانی رویّوں اور انجام سے جوڑتا ہے۔

لغوی اور معنوی اعتبار سے قلب ایک جامع اسم ہے جو انسانی باطن کے مختلف مدارج اور مقامات کا احاطہ کرتا ہے، اگرچہ باطن کی بعض جہات ایسی بھی ہیں جو قلب سے خارج سمجھی جاتی ہیں۔ اس جامعیت کو سمجھانے کے لیے اہلِ علم نے متعدد تمثیلات ذکر کی ہیں۔ جیسے لفظ عَین ہے، جس میں آنکھ کی سفیدی، سیاہی اور مردمک سب شامل ہیں؛ ہر جز کا اپنا الگ وصف اور کام ہے، مگر ان سب کی افادیت باہم مربوط ہے۔ اسی طرح دار ایک جامع لفظ ہے جس میں دروازہ، دہلیز، صحن، سامان اور خزانہ سب شامل ہوتے ہیں، حالانکہ ہر جز کا حکم اور کردار دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ حرم کا لفظ مکہ کے گرد و نواح، شہر، مسجد اور بیت العتیق سب کو محیط ہے، اور قندیل شیشے، تیل، بتی اور روشنی کے مجموعے کا نام ہے، جہاں روشنی کی سلامتی باقی تمام اجزاء کی سلامتی پر موقوف ہوتی ہے۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ کسی جامع حقیقت میں اگر ایک بنیادی جز میں خلل واقع ہو جائے تو پورا نظام متاثر ہو جاتا ہے۔ اسی تناظر میں قلب کو بھی قرآنِ مجید میں ایک ایسی جامع حقیقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو انسانی ادراک، ایمان، نیت اور اخلاقی رجحانات کا مرکز ہے۔ یہی جامعیت اس بات کی بنیاد فراہم کرتی ہے کہ قرآن نے قلب کے ساتھ ساتھ صدر، فؤاد اور لُب جیسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں، جو دراصل قلبی نظام کے مختلف مراتب اور باطنی کیفیات کی وضاحت کرتے ہیں۔ چنانچہ قلب کے اس جامع مفہوم کو سمجھے بغیر ان مترادفات کے باہمی فرق اور نسبت کو صحیح طور پر سمجھنا ممکن نہیں۔ یہ تعارف اسی فکری تسلسل کی بنیاد فراہم کرتا ہے، جس پر آگے چل کر قرآن میں قلب اور اس کے مترادفات کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ قائم کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل علم کے مراتب اور درجات طے کر دیے ہیں، فرمایا:

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ[1]

"اور ہم نے ایک کو دوسرے پر برتری عطا کی ہے۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ[2]

"اور ہر صاحب علم سے اوپر کوئی صاحب علم موجود ہے۔"

ہر علم اعلیٰ ہے اور قلب میں اس کا مقام زیادہ محفوظ، زیادہ مخصوص، زیادہ پوشیدہ اور زیادہ جڑا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں معرفت کے متعلق آیات ہیں، ان میں وہ بھی ہیں جن میں انسان کے حواس کا ذکر آیا ہے۔ کچھ آیات میں حواس کی تصریح موجود ہے لیکن حواس کے افعال کی وضاحت نہیں ہے بلکہ وضاحت ضمناً آئی ہے۔ ہاتھ کا وظیفہ پکڑنا اور آنکھ کا وظیفہ دیکھنا ہے۔ بعض دفعہ اصل آلے کا ذکر کیا جاتا ہے جبکہ وظیفے کا ذکر ضمناً آتا ہے اور بعض دفعہ وظیفہ یعنی عمل کا ذکر آتا ہے لیکن آلے کا ذکر نہیں ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ آلہ لفظ بول کر مراد وظیفہ یعنی ادراک اور شعور لیا گیا ہے۔ قلب تو مردہ انسان میں بھی ہوتا ہے لیکن وہاں قلب کا عمل نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ آیت ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُۥ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى ٱلسَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ[3]

انسان زندہ یا مردہ دونوں میں سے کوئی ایک ہوگا۔ یہ بات قطعی معلوم ہے کہ نصیحت زندہ انسان کے لیے ہوتی ہے، مردہ شخص اصلاً مخاطب ہی نہیں ہوتا۔ اہل عرب کے ہاں یہ مفہوم ثابت ہے کہ یہ قرآن نصیحت ایسے دل کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرے اور وہ خطاب کو قبول کرے، جو خطاب کو قبول نہیں کرتا اس کا ہونا، نا ہونا برابر ہے۔ دل کا وجود اس کے علمی مقصد کے وجود سے جڑا ہوا ہے اور یہ قرآن مجید اور عربی زبان میں کثرت سے پایا جاتا ہے اور اہل علم کے ہاں معروف بھی ہے۔ یہ اسلوب قرآن مجید میں سماعت وبصارت کی نفی کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انسان کے افعال کی نسبت اس کے ہاتھوں کی طرف کی گ ءی ہے، باوجود اس کے کہ بعض دفعہ وہ افعال دیگر اعضاء سے بھی سرزد ہوتے ہیں۔ نسبت میں اکثر کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ جیسے ہم کسی ایسے شخص کو کہیں کہ جو رحم نہیں کرتا کہ اس کا دل مردہ ہے۔ احمق آدمی ذہین آدمی کے بارے میں نہیں سمجھتا کہ اس کا دل نہیں دھڑک رہا۔ درج بالا آیت میں قلب سے مراد مفسرین عقل لیتے ہیں کیونکہ عقل قلب کے افعال میں سے ہے۔ لغت میں کیا جاتا ہے کہ 'کل' کا ذکر کر کے 'جزء' مراد لے لینا۔ یہ سیاق وسباق میں سمجھا جاتا ہے لہٰذا مذکورہ آیت میں قلب کے سیاق میں عقل مراد لیا جائے گا کیونکہ وہ وحی اور نصیحت کو سمجھنے کا ذریعہ ہے اور یہ قلب کی علمی قوت کے بغیر ممکن نہیں یعنی عقل کی قوت سے اور تفکر وتدبر ہے۔

درج ذیل میں ایسے آلات کو ذکر کیا جائے گا جن سے قلب کے علمی افعال منسوب ہیں اور وہ قلب کے مترادفات ہیں۔ قرآن مجید نے علم حاصل کرنے کے آلات کو تین تک محدود کر دیا ہے جس میں چوتھا نہیں اور وہ قلب، کان اور آنکھ ہیں۔ قلب کے مترادفات جو قرآن مجید میں آئے ہیں، درج ذیل ہیں:

1۔ صدر:

صدر قلب کے مترادفات میں سے ہے، لفظی معنی کے لحاظ سے صدر سے مراد ہر چیز کا اعلیٰ اول اور مقدم حصہ، جیسے عرب کہتے ہیں:

صدر الليل والنهار وصدر الشتاء والصيف[4]

صدر انسان اور جانور دونوں میں ہوتا ہے۔ صدر گردن کے نیچے کا حصہ پیٹ کی نالی تک ہوتا ہے۔ طبّی لحاظ سے ایک ہڈی کا پنجرا جس میں سانس لینے اور گردش کے لیے اہم اعضا ہوتے ہیں۔

صدر کا ذکر قران مجید میں چوالیس بار (44) آیا ہے۔ صدر کا گہرا تعلق ادراک کے مرکز دل کے ساتھ ہے۔ در حقیقت صدر سے منسوب بعض خصوصیات قلب کی خصوصیات ہیں، اسی لیے بعض حکماء کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالی قلب کا ذکر کرتا ہے تو وہ عقل اور علم کی طرف اشارہ کرتا ہے اور جب صدر کا ذکر کرتا ہے تو وہ ان کے ساتھ ساتھ دیگر جیسے شہوات وخواہشات اور غضب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ صدر قلب پر حاوی ہے، قلب فؤاد پر حاوی ہے اور فؤاد لُب پر حاوی ہے۔ صدر کو قلب میں وہی مقام حاصل ہے جو آنکھ میں موجود سفیدی کو جیسے صحن کی مثال گھر میں، مکہ کو گھیرے ہوئے حصے کی طرح، قندیل میں موجود پانی کی طرح۔ صدر وساوس اور آفات کے داخل ہونے کی جگہ ہے، جس طرح آنکھ کا سفید حصہ پھنسیوں اور پانی بہنے کے باعث متاثر ہوتا ہے جیسے صحن میں لکڑیاں اور کپڑے رکھ دیے جائیں یا جیسے صحن حرم میں درندے اور چوپائے داخل ہو جائیں۔ صدر خواہشات وشہوات اور بغض وکینہ کے داخل ہونے کی جگہ ہے۔ صدر ہی بعض دفعہ تنگ ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ نفس امارہ جو برائی پر برانگیختہ کرتا ہے اس کا صدر مقام بھی یہی صدر ہی ہے۔ یہ اسلام کے نور کی جگہ ہے اور علم کا مقام بھی ہے۔ سماعت اور تعلم کے وصول کا اول مرکز یہی صدر ہے۔ اس کا نام صدر رکھا ہی اس وجہ سے گیا کہ یہ قلب کا آغاز ہے جیسے دن کا آغاز ہوتا ہے یا جیسے گھر میں صحن سب سے پہلی جگہ ہوتی ہے، اسی طرح صدر سے خیالات نکلتے ہیں اور مصروفیات کی فکر یہیں سے قلب کی طرف نکلتی ہے جب وہ تادیر قرار پکڑے رکھے۔

قلب یہ صدر میں دوسرا مقام ہے اور یہ صدر کے اندر ہے جیسے آنکھ کی سیاہی آنکھ کے اندر ہوتی ہے۔ قلب نورِ ایمان کی کان ہے اور خشوع، تقوی، محبت، رضا، یقین، خوف، رجاء، صبر اور قناعت کا نور ہے۔ قلب علم کے اصولوں کا منبع ہے کیونکہ قلب آنکھ کے پانی کی طرح ہے اور صدر غوطہ لگانے کی طرح، قلب ہی سے علم اور یقین صدر کی طرف نکلتا ہے۔ قلب اصل ہے اور صدر فرع ہے، فرع کی اصل کے ساتھ تاکید کی گئی ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

انما الاعمال بالنيات[5]

"بے شک! اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ ہر وہ عمل جسے نفس کرتا ہے وہ قلب کی نیت کے ساتھ بلند ہوتا ہے اور نیت کے مطابق ہی نیکی کا اجر بڑھتا ہے۔ قلب نفس کے ہاتھوں میں نہیں ہے کیونکہ قلب بادشاہ ہے اور نفس رعایا ہے۔ صدر قلب کے لیے ایسے ہی ہے جیسے شاہ سوار کے لیے میدان۔ نبی کریم ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ اعضاء کی صلاح قلب کی صلاح سے ہے اور ان کا فساد قلب کے فساد سے ہے۔ قلب گویا کہ ایک چراغ ہے اور چراغ کی اصلاح نور کے ساتھ ممکن ہے اور یہ نور تقوی اور یقین ہے کیونکہ قلب اس نور سے خالی ہو جائے گا تو وہ ایک بجھے ہوئے چراغ کی مانند بن جائے گا۔ ہر وہ عمل جو قلب کی بجائے نفس کی طرف سے آئے وہ آخرت میں معتبر نہیں ہے۔ مومن آدمی کو نفسانی خواہشات سے آزمایا جاتا ہے۔ نفس کو صدر میں داخل ہونے کا اختیار دیا گیا ہے۔ نفس صدر میں آکر وسوسے اور باطل خواہشات داخل کرتا ہے حتی کہ بندہ اللہ سے مدد مانگتا ہے تو اللہ نفس کے شر سے انسان کو دور کر دیتا ہے۔ اسی طرح شیطان بندے کے صدر میں وسوسے لے کر داخل ہوتا ہے، وہ نفس امارہ کے ذریعے اپنا کام کرتا ہے۔ نفس امارہ بھی شیطان ہی کی ایک شکل ہے اور شیطان جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی، ارشاد باری تعالی ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَٰطِينَ ٱلْإِنسِ وَٱلْجِنِّ[6]

"اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسان اور جنات میں سے شیاطین کو دشمن بنادیا تھا۔"

اللہ تعالی نے مومن آدمی پر یہ مہربانی کی کہ نفس کے ہاتھ میں قلب نہیں دیا، شیطان کا صدر میں وساوس ڈالنے کے ذریعے اللہ تعالی بندے کو آزماتا ہے، جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَلِيَبْتَلِيَ ٱللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ[7]

"اور (یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ) اللہ تمہارے دلوں کو آزماتے ہیں، نیز جو خیالات تمہارے دلوں میں ہیں، انہیں پاک صاف کر دیں اور اللہ دلوں کے حال سے خوب واقف ہے۔"

درج بالا آیت میں اللہ تعالی نے غزوۂ احد میں مسلمانوں کے مغلوب ہونے کی پانچ حکمتوں میں سے ایک یہ بیان فرمائی کہ اس سے مسلمانوں کا تزکیہ مقصود تھا، کیوں کہ مصیبت اور آزمائش کی بھٹی سے گزر کر انسان کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اس آیت میں دلوں کو پاکی سے مراد نور ایمان کے ساتھ قلب کی طہارت ہے۔ صدر کی کشادگی اور تنگی کی نسبت صدر ہی کی طرف کی گ ءی ہے، قلب کی طرف نہیں کی گئی:

فَلَا يَكُن فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ[8]

"لہٰذا اس (کتاب کے پہنچانے) سے آپ کے دل میں کوئی تنگی نہ ہو۔"

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ[9]

"اور ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔"

وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَٰرُونَ[10]

"(موسی نے کہا: اے میرے رب!) میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان چلتی نہیں ہے، اس لیے آپ ہارون پر بھی وحی بھیج دیجیے۔"

حضرات انبیاء کا سینہ تنگ ہونے سے مراد وساوس نہیں جیسا کہ عام مسلمانوں کا معاملہ ہے، کیوں کہ انبیاء کو اللہ تعالی نے بچایا ہوتا ہے۔ یہاں صدر کی تنگی سے مراد ہے کہ جب وہ کفار سے اللہ کے شریک بنانے کا سنتے ہیں تب ان کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے۔ جب کسی شخص کا صدر حق سے تنگ ہو جائے وہ باطل کے لیے وسیع ہو جاتا ہے اور جب صدر باطل سے تنگ ہو جائے تو حق کے لیے وسیع ہو جاتا ہے۔ خاتم النبیین ﷺ سے اللہ تعالی نے فرمایا:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ[11]

"کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔"

یعنی اللہ تعالی نے آپ ﷺ کا سینہ مبارک باطل سے تنگ کر دیا اور اسلام کے انوار سے کشادہ کر دیا۔ آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو اس بات کے تیار کر دیا کہ آپ ﷺ وحی الٰہی کے بوجھ کو برداشت کر سکیں، ایسے علم و حکمت سے نواز دیا کہ آپ ﷺ تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دے سکیں اور جو مخالفتیں ہوں، ان کو برداشت کر سکیں۔

شرح الصدر تنويره بالحكمة و توسيعه لتلقى ما يوحى اليه [12]

مومن کا سینہ بعض دفعہ کثرت وساوس، غم، اور مصائب کے پہنچنے کے باعث تنگ ہو جاتا ہے یا جب وہ باطل کو سنتا ہے، پھر اللہ تعالی اسلام کے نور سے اسے وسیع کر دیتا ہے، جیسے فرمایا:

أَفَمَن شَرَحَ ٱللَّهُ صَدۡرَهُۥ لِلۡإِسۡلَٰمِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٖ مِّن رَّبِّهِۦۚ[13]

"بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے کھول دیا ہو اور اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو (کیا وہ اور سخت دل ایمان نہ لانے والے برابر ہو سکتے ہیں؟)"

ہدایت اور گمراہی کے راستے بتلا دیے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ زبردستی کسی کے ساتھ نہیں کرتا، جو جس راستے پہ چلنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہی راستہ آسان کر دیتا ہے۔ جو ہدایت کی راہ پر آنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہدایت کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے اور اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے پھر مومن کا سینہ اسلام کے نور کی جگہ بن جاتا ہے، فرمایا:

فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهۡدِيَهُۥ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهُۥ لِلۡإِسۡلَٰمِۖ[14]

"پس اللہ جسے ہدایت دینا چاہتے ہیں، اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں۔"

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے شرح صدر یعنی سینہ اسلام کے لیے کھول دینے کی تفسیر دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ایک روشنی ڈال دیتے ہیں، جس سے اس کا دل حق بات کو دیکھنے سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے کھل جاتا ہے (حق بات کو آسانی سے قبول کرنے لگتا ہے اور خلافِ حق سے نفرت اور وحشت ہونے لگتی ہے) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے جس سے وہ شخص پہچانا جاوے جس کو شرح صدر حاصل ہو گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! علامت یہ ہے کہ اس شخص کی ساری رغبت آخرت اور اس کی نعمتوں کی طرف ہو جاتی ہے، دنیا کی بے جا خواہشات اور فانی لذتوں سے گھبراتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنے لگتا ہے۔"

کافر اور منافق کا صدر کفر، شرک اور شک کے اندھیروں سے بھرا ہوتا ہے اور اسی کے لیے وسیع ہو جاتا ہے۔ اس میں نور اسلام تک باقی نہیں رہتا اور وہ نور حق سے تنگ ہو جاتا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِٱلۡكُفۡرِ صَدۡرٗا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٞ مِّنَ ٱللَّهِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٞ[15]

"لیکن ہاں جو لوگ دل سے کفر کا ارتکاب کریں تو ان لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

مزید فرمایا:

وَمَن يُرِدۡ أَن يُضِلَّهُۥ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجٗا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي ٱلسَّمَآءِۚ[16]

"اور (اللہ) جس کو ہدایت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں، اس کے سینہ کو خوب تنگ کر دیتے ہیں گویا کہ وہ آسمان کی طرف چڑھ رہا ہے۔"

دل کے تنگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں حق اور بھلائی کے لیے کوئی راستہ نہیں رہتا، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ "جب وہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو اس کو وحشت ہونے لگتی ہے اور جب کفر و شرک کی باتیں سنتا ہے تو ان میں دل لگتا ہے۔"[17]

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

"درست عقیدہ اور عمل کے لیے دل کا کھل جانا ہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے، یہ بہت بڑی نعمت ہے اور سے بڑی بے توفیقی یہ ہے کہ انسان کا دل حق کو قبول کرنے پر تیار نہ ہو، اس کی مثال اس مریض کی ہے جو بیمار ہو مگر دوا کو دیکھ کر اسے متلی آنے لگتی ہو۔ قرآن مجید کی یہ تعبیر کہ اس کا دل ایسا تنگ ہو جاتا ہے گویا وہ آسمان کی طرف چڑھ رہا ہے، ایک تشبیہ ہے کیوں کہ جب کوئی انسان زمین کی فضا سے باہر نکلتا ہے تو مختلف سیاروں کی کشش اس کے قلب کے لیے ناقابل برداشت ہونے لگتی ہے، گویا قرآن کی اس تشبیہ میں ایک ایسی ساءنسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا موجودہ دور میں انکشاف ہوا ہے۔"[18] صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی صحبت اور بلاواسطہ شاگردی کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ ان کو اسلامی احکام میں شبہات اور وساوس کم سے کم پیش آئے۔ ساری عمر میں صحابہ کرام نے جو سوالات رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کیے، وہ گنے چنے چند ہیں یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کے فیض صحبت سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت کا گہرا نقش ان کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا جس کے سبب ان کو شرح صدر کا مقام حاصل تھا۔ ان کے قلوب خود بخود حق و باطل کا معیار بن گئے تھے۔ حق کو آسانی کے ساتھ فوراً قبول کرتے اور باطل ان کے دلوں میں جگہ نہ بنا پاتا پھر جوں جوں نبی مکرم ﷺ کے عہد مبارک سے دوری ہوتی چلی گئی، شکوک و شبہات نے اپنا راستہ بنانا شروع کر دیا۔ عقائد کے اختلافات پیدا ہونا شروع ہو گئے اور آج پوری دنیا انہی شکوک و شبہات کے گھیرے میں پھنسی ہوئی ہے اور بحث و مباحثہ کے طریقے سے اس کو حل کرنا چاہتی ہے جو اس کا صحیح راستہ نہیں۔

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں

ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں

راستہ وہی ہے جو صحابہ کرام اور سلف صالحین نے اختیار فرمایا کہ اللہ تعالی کی قدرت کاملہ اور ان کے انعام کا استحضار کر کے اس کی عظمت و محبت دل میں پیدا کی جائے تو شبہات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خود قران کریم نے رسول کریم ﷺ کو یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی:

رَبِّ ٱشۡرَحۡ لِي صَدۡرِي[19]

"میرے پرورگار! میرے لیے میرا سینہ کھول دیجیے۔"

صدر بغض اور جرم کی جگہ ہے کیونکہ نفس بغض، کینہ اور جرم کا حامل ہے اور اسے صدر میں داخل ہونے کا اختیار دیا گیا ہے اور یہ بھی آزمائش کی جہت میں سے ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالی جب جنت میں داخل کریں گے تو ان کے دلوں کو کینہ سے صاف ستھرا کر دیں گے، جیسے اللہ تعالی نے فرمایا:

وَنَزَعۡنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنۡ غِلّٖ [20]

"نیز ان کے دلوں میں (ایک دوسرے سے) جو کدورت ہو گی، اسے بھی ہم نکال دیں گے۔"

حقیقت یہ ہے کہ ایمان والے انسان ہی تو تھے، انسانوں کی حیثیت سے انہوں نے زندگی گزاری اور کئی بار ایسا ہوا کہ وہ دنیا میں ایک دوسرے سے ناراض ہوئے مگر انہوں نے اس ناراضی کو چھپایا اور ان کے دل میں ایک دوسرے کے خلاف کدورت پیدا ہوئی مگر انہوں نے اس کدورت پر غلبہ پالیا، البتہ کچھ اثرات آخر تک ان کے دلوں میں موجود رہے اور اللہ تعالی انہی اثرات کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے نکال دیں گے، امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ غِلّ یعنی کدورت جنت کے دروازوں کے باہر پڑی ہو گی جس طرح اونٹوں کی مینگنیاں ، اللہ نے مومنین کے دلوں سے اس کو نکال پھینکا ہو گا اور سیدنا علیؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میں عثمان طلحہ اور زبیر ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا: و نزعنا۔۔۔[21]

مومن کا قلب کدورت سے کیوں کہ وہ ایمان کی جگہ ہے، اللہ تعالی نے بندوں کو حکم دیا کہ وہ دعا مانگیں:

رَبَّنَا ٱغۡفِرۡ لَنَا وَلِإِخۡوَٰنِنَا ٱلَّذِينَ سَبَقُونَا بِٱلۡإِيمَٰنِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِي قُلُوبِنَا غِلّٗا لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوفٞ رَّحِيمٌ[22]

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دیجیے اور ہمارے ان بھاءیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاءے اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کے بارے میں کوءی کینہ نہ رہنے دیجیے، یقیناً آپ ہی شفیق و مہربان ہیں۔"

مؤمن کا قلب سلیم ہوتا ہے اور صدر بھی سلیم ہوتا ہے جبکہ کافر اور منافق کا قلب مردہ اور بیمار ہوتا ہے، قرآن مجید میں منافق اور کافر کے بارے فرمایا گیا:

ٱلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٞ وَٱلۡكَٰفِرُونَ۔۔۔ [23]

"وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کافر۔۔۔"

مولانا عبدالرحمان کیلانی لکھتے ہیں:

"اس آیت میں مرض سے مراد شک کی بیماری ہے۔ یعنی منافق اور کافر دونوں ہی ہدایت کی باتوں سے محروم رہتے ہیں، ایک ہی بات یا ایک ہی مثال سے بدبخت آدمی گمراہ ہو جاتا ہے جبکہ سلیم الطبع آدمی اسی مثال سے ہدایت حاصل کر لیتا ہے۔ جس نے بہر حال نہ ماننے کا تہیہ کر رکھا ہو وہ ہر کام کی بات کو بھی ہنسی مذاق میں اڑا دیتا ہے اور جس کے دل میں اللہ کا خوف اور ہدایت کی طلب ہو اسی بات سے اس کے ایمان و یقین میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔"[24]

سورۂ غافر میں فرمایا:

إِن فِي صُدُورِهِمۡ إِلَّا كِبۡرٞ مَّا هُم بِبَٰلِغِيهِۚ[25]

"ان کے دلوں میں بڑائی کا احساس ہے، جہاں تک وہ پہنچ نہیں سکیں گے۔"

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

"یعنی یہ لوگ جو اللہ کی آیات میں بغیر کسی حجت و دلیل کے جدال کرتے ہیں اور مقصد دراصل اس دین سے انکار کرنا ہے جس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کے دلوں میں تکبر ہے ،یہ اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور اپنی بے وقوفی سے یوں سمجھے ہوئے ہیں کہ یہ بڑائی ہمیں اپنے مذہب پر قائم رہنے سے حاصل ہے،اس کو چھوڑ کر اگر مسلمان ہو جائیں گے تو ہماری یہ ریاست واقتدار نہ رہے گا۔قران کریم نے فرمادیا 'ما هم ببالغيه'یعنی یہ اپنی مزعومہ بڑائی، عظمت اور ریاست کو اسلام لائے بغیر نہ پاسکیں گے البتہ اسلام لے آتے تو عزت وعظمت ان کے ساتھ ہوتی۔"[26]قدیم علوم میں "صدر" دل اور دماغ دونوں کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔علم صرف ذہن تک محدود نہیں، بلکہ جب وہ دل سے جڑ جاتا ہے تو اس میں 'گہرائی' اور 'عمل' کی صلاحیت آجاتی ہے۔علم کو زبانی یا کتابی شکل میں محفوظ کرنے سے زیادہ اہم یہ ہے کہ وہ انسان کے اندر (سینے میں) اتر جائے،تاکہ وہ کبھی ضائع نہ ہو۔جیسے حافظ قرآن کا دل ہی اس کا اصل ذخیرہ ہوتا ہے۔قرآن مجید نے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلۡ هُوَ ءَايَٰتُۢ بَيِّنَٰتٞ فِي صُدُورِ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡعِلۡمَۚ [27]

"بلکہ وہ(قرآن)تو واضح آیات ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔"

اس آیت سے پتہ چلا کہ قرآن کی آیات بینات واضح دلائل پر مشتمل ہیں اور یہ آیات اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں اور اہل علم نے ان آیات کو حفظ یا ازبر کر لیا ہے اور یہ قرآن اسی طرح سینہ بہ سینہ اہل علم میں منتقل ہوتا جائے گا۔اندھے پن اور بصارت کی نسبت صدر کی بجاءے قلب کی طرف کی گءی ہے،ارشاد باری ہے:

فَإِنَّهَا لَا تَعۡمَى ٱلۡأَبۡصَٰرُ وَلَٰكِن تَعۡمَى ٱلۡقُلُوبُ ٱلَّتِي فِي ٱلصُّدُورِ [28]

"حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔"

سید قطب لکھتے ہیں:

"یہاں دلوں کی جگہ کا بھی تعین کر دیا جاتا ہے مزید تاکید کی خاطر کہ وہ سینوں میں ہیں اور ان کے سینوں میں جو دل ہے وہ اندھے ہیں۔اگر یہ دل اندھے نہ ہوتے تو وہ نصیحت آموزی میں بڑے پر جوش ہوتے،وہ عبرت لیتے اور ان لوگوں جیسے انجام سے ڈر کر ایمان کی طرف مائل ہوتے کیوں کہ اس قسم کے کھنڈرات ان کے ارد گرد کئی مقامات پر ہیں لیکن ان لوگوں کا رویہ بالکل الٹا ہے کہ عبرت لینے،ایمان لانے عذاب الٰہی سے ڈرنے کی بجائے یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ عذاب ہم پر جلدی آجائے حالانکہ اللہ نے کسی حکمت کی وجہ سے اسے مؤخر کر دیا ہے۔"[29]

کسی سے دوستی یا دشمنی کے جذبات کی نسبت صدر کی طرف ہی کی گئی ہے،اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں یہ فرمایا کہ مؤمن کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں،وہاں فرمایا:

قُلۡ إِن تُخۡفُواْ مَا فِي صُدُورِكُمۡ أَوۡ تُبۡدُوهُ يَعۡلَمۡهُ ٱللَّهُۗ [30]

"آپ(ﷺ) کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمہارے سینہ میں ہے اسے تم چھپاؤ یا ظاہر کرو،اللہ اسے خوب جانتا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں سے یہ کہا جارہا ہے کہ اگر تم کفر کی محبت کو دل میں جگہ دوگے یا کافروں سے محبت کا برتاؤ رکھوگے تو تمہارے یہ باطنی اور ظاہری اعمال اللہ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے لہٰذا تم اللہ کی دی ہوئی رعایت سے اسی قدر فائدہ اٹھاؤ جس کے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آ رہا ہو۔

قلب اور صدر میں فرق:

قلب اور صدر کے درمیان فرق یہ ہے کہ جو صدر کا نور ہے اس کی انتہاء ہے لیکن جو قلب کا نور ہے اس کی نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی انتہاء اور نہ اس میں کوئی انقطاع ہے،اگرچہ بندہ مر بھی جائے کیوں کہ جب بندہ ایمان پر وفات پاتا ہے تو اس کا نور ہمیشہ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے،اس سے جدا نہیں ہوتا، حتیٰ کہ قیامت کے دن بھی وہ ان کے ساتھ ہوگا۔ارشادِ باری ہے:

يَوۡمَ تَرَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ يَسۡعَىٰ نُورُهُم بَيۡنَ أَيۡدِيهِمۡ وَبِأَيۡمَٰنِهِمۡ

"جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور اُن کے آگے اور اُن کے پیچھے دوڑتا ہوگا۔"

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے اور یہ نور عطا ہونے کا معاملہ پل صراط پر چلنے سے کچھ دیر پہلے پیش آئے گا۔مسلمانوں کو ان کے نیک اعمال کے مطابق نور ملے گا جو قیامت کے دن ان کے ساتھ ساتھ رہے گا،سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:"ان میں بعض کا نور پہاڑوں کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجوروں کے درختوں کے برابر اور بعض کا کھڑے انسان کے قد کے برابر، سب سے کم نور جس گنہگار مومن کا ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوتا ہوگا اور کبھی بجھ جاتا ہوگا۔[31]سیدنا ابوامامہؓ کی روایت میں یہ آتا ہے کہ "قیامت کے دن جب شدید اندھیرا ہوگا(کہ کوئی انسان اپنا ہاتھ بھی نہ دیکھ سکتا ہوگا)تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں میں نور تقسیم ہوگا،اس وقت کافر اور منافق اس نور سے محروم رہیں گے ان کو کسی قسم کا نور ملے گا ہی نہیں۔"[32]

لیکن معجم طبرانی میں سیدنا ابن عباسؓ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پل صراط کے پاس اللہ تعالی ہر مؤمن کو نور عطا فرمادیں گے اور ہر منافق کو بھی مگر جس وقت یہ پل صراط پر پہنچ جائیں گے تو منافقین کا نور سلب کر لیا جائے گا۔"[33] اس سے معلوم ہوا کہ منافقین کو بھی ابتدا میں نور دیا جائے گا مگر پل صراط پر پہنچ کر یہ نور سلب کر لیا جائے گا۔ تفسیر مظہری میں ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح بیان کی گئی ہے کہ اصل منافقین جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے، ان کو تو شروع ہی سے کفار کی طرح کوئی نور نہ ملے گا مگر وہ منافقین جو اس امت میں رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوں گے جن کو منافقین کا نام تو اس لیے نہیں دیا جا سکے گا کہ وحی کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہو چکا تھا اور کسی کے بارے میں بغیر وحی کے یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ دل سے مؤمن نہیں ہے صرف زبان کا اقرار ہے، اس لیے امت میں کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی کو منافق کہیں لیکن اللہ تعالی تو جانتا ہے کہ کس کے دل میں ایمان ہے، کس کے دل میں نہیں ہے تو ان میں سے جو لوگ اللہ تعالی کے علم میں منافق ہیں اگرچہ ظاہر میں ان کی منافقت واضح نہیں، ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا کہ شروع میں ان کو بھی نور دے دیا جائے گا بعد میں سلب کر لیا جائے گا۔[34]

اس قسم کے منافقین امت کے وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث میں تحریف کر کے ان کے معنی کو بگاڑتے ہیں اور اپنے مطلب کے موافق بناتے ہیں۔ مسلمان اپنے نور کو لے کر پل صراط پر چڑھیں گے تو منافقین کا نور سلب کر لیا جائے گا۔ مسلمان اُن سے بہت زیادہ آگے نکل جائیں گے، منافقین بہت پیچھے رہ جائیں گے تو یہ مسلمانوں کو ٹھہرانے کے لیے آوازیں دیں گے اور کہیں گے کہ ذرا ٹھہر جاؤ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھالیں کیونکہ ہم دنیا میں بھی نماز، زکوۃ، حج اور جہاد سب چیزوں میں تمہارے شریک رہا کرتے تھے تو ان کو اس درخواست کا جواب نامنظوری کی شکل میں دیا جائے گا۔ منافقین کے مناسب حال تو یہی ہے کہ پہلے ان کو بھی مسلمانوں کی طرح نور ملے پھر اس کو سلب کر لیا جائے جس طرح وہ دنیا میں اللہ اور رسول کو دھوکہ دینے کی ہی کوشش میں لگے رہے تھے، ان کے ساتھ قیامت میں معاملہ بھی ایسا ہی کیا جائے گا جیسے کسی کو دھوکہ دینے کے لیے کچھ روشنی دکھلا کر بجھا دی جائے،

إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ يُخَٰدِعُونَ ٱللَّهَ وَهُوَ خَٰدِعُهُمْ [35]

"بے شک منافقین اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکہ دینے والا ہے۔"

امام بغویؒ نے فرمایا کہ اس دھوکہ سے یہی مراد ہے کہ پہلے نور دے دیا جائے گا مگر عین اس وقت جب نور کی ضرورت ہوگی، سلب کر لیا جائے گا۔[36] یہی وہ وقت ہوگا جبکہ مؤمنین کو بھی یہ اندیشہ لگ جائے گا کہ کہیں ہمارا نور بھی سلب نہ کر لیا جائے اس لیے وہ اللہ تعالی سے دعا کریں گے کہ ہمارے نور کو آخر تک پورا کر دیجئے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي ٱللَّهُ ٱلنَّبِيَّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ ۖ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَٰنِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا[37]

"اس دن اللہ پیغمبر اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رُسوا نہیں فرمائیں گے، اُن کا نور ان کے سامنے اور ان کے داہیں دوڑ رہا ہوگا، وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہمارے نور کو مکمل فرما دیجیے۔"

جب منافق نور مانگیں گے تو مؤمن جواب دیں گے کہ واپس اندھیرے میں لوٹ جاؤ اور وہاں نور تلاش کرو، قران مجید میں مسلمانوں اور منافقین کے اس مکالمے کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

يَوْمَ يَقُولُ ٱلْمُنَٰفِقُونَ وَٱلْمُنَٰفِقَٰتُ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱنظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ قِيلَ ٱرْجِعُوا۟ وَرَآءَكُمْ فَٱلْتَمِسُوا۟ نُورًا[38]

"اس دن منافق مرد و عورت مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں، تو جواب دیا جاءے گا کہ تم پیچھے کی طرف واپس لوٹ جاؤ، پھر کوءی روشنی تلاش کر لو۔"

2۔الفؤاد:

اہل لغت فؤاد بارے کہتے ہیں: "فؤاد کا لفظی معنی بخار اور گرمی کی شدت ہے۔"[39]

بعض نے کہا: "فؤاد سے مراد قلب ہے اور قلب کا یہ نام اس کی حرارت کی وجہ سے رکھا گیا ہے"[40]

جبکہ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ فؤاد قلب کا باطن ہے اور قلب اس کا مرکز اور اس کے دونوں اطراف ہے، فؤاد رقیق وہ ہے جو جلد جھکنے والا ہو اور فؤاد غلیظ وہ ہے جو سخت دل کی طرح ہوتا ہے، جو کسی چیز پر رد عمل ظاہر نہیں کرتا۔[41] فؤاد کا قلب پر اطلاق معنوی ہے نہ کہ جسمانی ، اور یہ خاص دلالت ہے جو قران مجید میں واحد اور جمع دونوں صیغوں میں آئی ہے، وہاں ممکن ہی نہیں کہ فؤاد سے مراد معلوم عضو لیا جائے بلکہ وہ لطیفۂ ربانیہ پر دلالت کرتا ہے ارشاد باری ہے:

إِنَّ ٱلسَّمْعَ وَٱلْبَصَرَ وَٱلْفُؤَادَ كُلُّ أُو۟لَٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔولًا[42]

"یقیناً کان، آنکھ اور دل، انسان سے ان سب کے بارے میں پوچھ ہو گی۔"

قیامت کے دن انسان سے کان، آنکھ، دل یعنی کسی بات کی تحقیق کے جو ذرائع ہیں، ان سب کے بارے میں سوال ہو گا اور وہ خود انسان کے خلاف گواہی دیں گے۔ صاحب تاج العروس لکھتے ہیں: فؤاد فاد سے مشتق ہے، اصلی معنی ہلنا یا ہلانا ہے۔ اسی سے فؤاد لفظ بنا ہے۔ دل کو دل اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ ہلتا اور دھڑکتا ہے۔ انسانی جذبات کی طرف اشارہ ہو گا تو فؤاد، انسانی فکر پر بات ہو گی تو قلب۔ گوشت کا وہ ٹکڑا جو آگ میں پڑا ہو لحم الفئید کہلاتا ہے۔ خوف، غصہ، خوشی، جذبات، اداسی جیسے معانی اس میں پائے جاتے ہیں۔ مطالب الفرقان میں ہے: فی قلوبھم مرض۔۔ فؤاد میں سوز و گداز کا معنی پایا جاتا ہے۔ یہ بھوننے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ انسان کے اندرونی احساس کا وہ حصہ جس کا تعلق جذبات اور سوز گداز سے ہو فؤاد کہلاتا ہے۔ جبکہ قلب کا تعلق فہم اور شعور کے ساتھ ہے۔ مولانا رضی الاسلام ندوی کہتے ہیں: یہ لفظ گرمی شدید حرارت پر دلالت کرتا ہے جہاں انسان کے جذبات کی شدت اور اس کی تاثیر کا ذکر آئے گا، وہاں یہ لفظ استعمال ہو گا۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَٱللَّهُ أَخۡرَجَكُم مِّنۢ بُطُونِ أُمَّهَٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ شَيۡـٔٗا وَجَعَلَ لَكُمُ ٱلسَّمۡعَ وَٱلۡأَبۡصَٰرَ وَٱلۡأَفۡـِٔدَةَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُونَ [43]

"اللہ نے تم لوگوں کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا فرمایا، جب تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور تمہارے لیے کان، آنکھ اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔"

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ کا احسان دیکھو کہ اس نے لوگوں کو ماؤں کے پیٹوں سے نکالا یہ محض نادان تھے، پھر انہیں کان دیے جس سے وہ سنیں، آنکھیں دیں جس سے وہ دیکھیں، دل دیے جس سے وہ سوچیں سمجھیں اور یہ عقل ہے جس کا مرکز صحیح قول کے مطابق دل ہے۔[44] ابن عاشور کہتے ہیں کہ الافئدہ فؤاد کی جمع ہے، اصلا اس سے مراد قلب ہے، قلب کا اطلاق اکثر عقل پر کیا جاتا ہے اور یہی معنی یہاں مراد ہے۔[45] تاہم دل کا تذکرہ توانائی کے تصور کے ساتھ ساتھ ایک علمی اور ادراک کے فعل کے طور پر بھی کیا گیا ہے جیسا کہ ہم اسے سماعت اور بصارت کے کام سے وابستہ پاتے ہیں یعنی ادراک کی قوتوں کے ساتھ قلب معرفت کے آلہ کے طور پر مذکور ہے:

لَهُمۡ قُلُوبٞ لَّا يَفۡقَهُونَ بِهَا وَلَهُمۡ أَعۡيُنٞ لَّا يُبۡصِرُونَ بِهَا [46]

"ان کے پاس دل ہیں لیکن سمجھنے سے محروم، ان کی آنکھیں ہیں مگر بینائی سے عاری۔"

معلوم ہوا فقہ کا آلہ قلب ہے اور بصر کا آلہ آنکھ ہے جبکہ فؤاد جب بھی کسی شخص کو علم عطا کرنے اور اسے حاصل کرنے کے آلات اور طریقوں کے لیے شکر گزاری کے تناظر میں ذکر کیا جاتا ہے تو وہ ایک علمی طاقت کے طور پر ہوتا ہے، قران مجید میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَلَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهِۦ عِلۡمٌۚ إِنَّ ٱلسَّمۡعَ وَٱلۡبَصَرَ وَٱلۡفُؤَادَ كُلُّ أُوْلَٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔولٗا

"اور تم کو جس بات کی تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑ جایا کرو، یقیناً کان، آنکھ اور دل، انسان سے ان سب کے بارے میں پوچھ ہو گی۔"

علم حاصل کرنے کی قوتیں سماعت بصارت اور فواد ہے تاہم شکر کے حوالہ سے ایک بھی آیت ایسی نہیں جس میں حواس کو قلب سے ملایا گیا ہو بلکہ اس کے ساتھ ملاپ ہمیشہ مذمت کے لیے ہوتا ہے

نواب صدیق خان لکھتے ہیں کہ فؤاد سے مراد قلب ہے اور سمع، بصر اور فؤاد معرفت پانے کے حالات ہیں۔[47] اللہ تعالی کان سے سوال کرے گا کہ جو اس نے سنا وہ معلوم اور یقینی تھا؟ آنکھ سے سوال کرے گا کہ جو اس نے دیکھا وہ صاف دکھائی دے رہا تھا؟ اور فؤاد سے کہ جو اس نے سوچا اور فیصلہ کیا وہ شک سے بالاتر تھا؟ فؤاد ہی وہ چیز ہے کہ جس سے انسان محسوس کرتا ہے اور ادراک کرتا ہے۔ سمع کا لفظ بول کر اس سے مراد اس کا آلہ یعنی کان مراد لیا گیا ہے، بصر کے لفظ سے اس کا آلہ یعنی آنکھ مراد لی گئی ہے اور یہ اسلوب قرآن مجید میں عموما استعمال ہوتا ہے علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

" السمع قوة فی الاذن و یعبر تارة بالسمع عن الاذن"[48]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سورۂ اسراء میں جو مراد ہے وہ ادراک کے آلات ہیں یعنی اعضاء لیکن اس کا اظہار اللہ تعالی نے ان حواس میں موجود طاقتوں سے کیا ہے یعنی حس کی بجائے حسی ادراک سے، آیت میں کان کی طاقت اور آنکھ کے ادراک کی طاقت کا جوڑ کر کیا گیا ہے یہ استعارے کے طور پر ہے۔ اس لیے جو بھی صاف سنتا ہے اس کے کان ہوتے ہیں لیکن ہر کان والا نہیں سنتا اور یہی بات بہروں پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں حواس کا اظہار ان کی طاقتوں کے لحاظ سے کیا گیا ہے کہ وہ اپنے افعال کو انجام دینے کے لیے فطری طور پر عاجز ہیں۔ چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ فؤاد قلبی ادراک کی قوت ہے۔ فؤاد مقام بصارت ہے، جب علم اور بصارت اکٹھے ہو جائیں تو غیب نظر آنا شروع ہو جاتا ہے۔ علم مشاہدہ اور ایمان کی حقیقت پر ایمان پختہ ہو جاتا ہے، ارشاد باری ہے:

فَمَنۡ أَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهِۦۖ وَمَنۡ عَمِيَ فَعَلَيۡهَاۚ [49]

"جو (عبرت کی نظر سے) دیکھے گا، وہ اپنے ہی نفع کے لیے دیکھے گا اور جو اندھا ہو جاوے گا، اس گناہ اسی پر ہو گا۔"

علم یقین اور عین الیقین کے بارے فرمایا:

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ ٱلْيَقِينِ [50]

"پھر (جان لو کہ) تم اس کو یقین کی آنکھوں سے دیکھو گے۔"

قلب کی طرف ہی رؤیت کی نسبت کی جاتی ہے، قلب میں موجود نور دراصل دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ابو محمد بن علی سے ایک اعرابی نے سوال کیا کہ میں جسے نہ دیکھوں اس کی عبادت نہیں کر سکتا، انہوں نے جواب دیا:

"انه لم تره الابصار بمشاهدة العيان ولكن راته القلوب بحقائق الايمان"

بعض نے کہا ہے کہ یہ سیدنا علی بن ابی طالب ؓ کا قول ہے۔ دراصل یہ قلب میں موجود نور ایمان سے دیکھنے کا اشارہ ہے۔ قلب فؤاد دونوں کو بصارت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں دیکھنے کی جگہیں ہیں ۔اہل ابصار ہی دراصل اعتبار کے اہل ہے کہ وہ اللہ کی کاریگری کے لطائف دیکھیں ،یہی اہل قلوب ہے۔نور ایمان سے دیکھنے والوں کے کچھ مراتب ہیں بعض تو مجاہدہ صحیحہ سے قلبی آنکھوں سے ایسے دیکھ لیتے ہیں جیسے حقیقت دیکھ رہے ہیں ، حارثہ بن مالک بن نعمان سے جن نبی مکرم ﷺ نے حال دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا: اصبحت مؤمنا حقا، قال رسول اللهﷺ : ان لكل حق حقيقة فما حقيقة ايمانك؟

انسان کو شریعت کے احکام کا مکلف موت تک بنایا گیا ہے۔قبر میں سوال اصول کا ہوگا فروع کا نہیں یعنی رب،دین اور نبی کے بارے میں اور یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے نماز کیسے پڑھی؟ قیامت کے دن بھی پہلے ایمان کے بارے میں سوال پھر اعمال کے بارے میں، پھر نیت کی بنا پر اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔اسلام نے علم و عمل کو جمع کر دیا ہے۔اہل علم متفق ہیں کہ وہ علم کا محل اور مستقر قلب ہے۔حدیث جبرائیل میں احسان سے مراد قلب کا مشاہدہ ہے۔رؤیت کا معدن فؤاد ہی ہے،ارشاد باری ہے:

مَا كَذَبَ ٱلْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ [51]

"دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے پیغمبر نے دیکھا۔"

فؤاد فائدہ سے مشتق ہے کیونکہ وہ اللہ کی محبت کے فوائد دیکھتا ہے۔فؤاد رؤیت سے مستفید ہوتا ہے اور قلب علم سے،جب تک فؤاد دیکھے نہ،تب تک قلب علم سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔اندھا اگرچہ عادل ہی ہو لیکن دیکھنے کی صلاحیت سے محرومی کے باعث علم ہونے کے باوجود قاضی اس کی گواہی قبول نہیں کرتا۔بعض عارفین فؤاد کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں:"لان فيه الف واد"دل کو دل اس لیے کہا کہ اس میں ہزار وادیاں ہیں۔ عارف کے فؤاد کی وادیاں اللہ کے احسان اور مہربانی سے نور کا دھارا ہیں۔"لفظ فؤاد قلب سے زیادہ دقیق ہے۔ان دونوں کا معنی باہم قریب ہے جیسے رحمان اور رحیم اسمائے حسنی کے معانی ہیں۔'فحافظ القلب هو الرحمن ، لان القلب معدن الايمان' مومن ایمان کی سلامتی کے معاملے میں رحمان پر بھروسہ کرتا ہے،ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ هُوَ ٱلرَّحْمَٰنُ ءَامَنَّا بِهِۦ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا [52]

"آپ کہہ دیجیے: وہ بڑا مہربان ہے،ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسہ کیا۔"

فؤاد کا حافظ رحیم ہے،فرمایا: كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِۦ فُؤَادَكَ [53]

"اسی طرح (ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے) تاکہ اس کے ذریعہ آپ کے دل کو مضبوط رکھیں۔"

عام حالت میں قلب ربط،اطمینان اور تسلی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے بندہ کے قلب کے ربط کو بیان فرمایا ہے،اصحاب کہف کے واقعہ میں فرمایا:

وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا [54]

"نیز ہم نے ان کے دل اس وقت خوب مضبوط کر دیے۔"

سیدنا موسیٰؑ کے واقعہ میں فرمایا:

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَٰرِغًا إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِۦ لَوْلَآ أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ [55]

"اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا، اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا کہ وہ (بچہ کی واپسی کا) یقین رکھے تو قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دیتی۔"

اہل تفسیر کہتے ہیں کہ قلب کو نور توحید کے ساتھ باندھنا مراد ہے۔ قلب محض علم رکھتا ہے اور علم تائیدی ربط کا محتاج ہے حتی کہ وہ ذکر الٰہی پر مطمئن ہو جاوے۔ جبکہ فؤاد دیکھتا ہے اور معائنہ کرتا ہے۔اس کے لیے فراغ واقع ہوتی ہے، وہ ربط کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ وہ ہدایت کا محتاج ہوتا ہے۔(وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَٰرِغًا) اللہ تعالیٰ نے فؤاد کو فراغت کے ساتھ خاص کر کے اسے قلب پر فضیلت بخشی ہے۔ قلب ربط کا محتاج ہوتا ہے۔اصول یہ ہے: اذا اجتمعا تفرقا، کہ جب فؤاد اور قلب اکٹھے بیان ہوں، تب ان میں فرق کیا جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ آیت میں موجود ہے۔

حدیث جبرائیل میں سیدنا جبرائیل ؑ نے نبی ﷺ سے سوال کیا تھا کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا : "ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك" تم اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم اللہ کو دیکھتے ہو، اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو سکے تو یہ سوچنا کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔[56] امام ابن رجب ؒ لکھتے ہیں: اس میں اشارہ ہے کہ بندہ اس صفت پر اللہ کی عبادت کرتا ہے اور یہ اس کی قربت کا استحضار ہے اور یہ کہ وہ اس کے سامنے سے گویا کہ اسے دیکھ رہا ہے۔اس سے خشیت ،خوف، ہیبت اور تعظیم پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ابوہریرہ ؓ کی روایت میں الفاظ ہیں(ان تخشى الله كانك تراه) اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عبادت میں خیر خواہی، اس کی تحسین، اتمام اور اقبال میں پوری کوشش ہونی چاہیے ۔[57] حدیث جبرائیل میں نبی ﷺ نے مومنین کے مناقب کو بیان کرتے ہوئے احسان کے ساتھ رؤیت کی قید لگائی ہے اور رؤیت کا مرکز فؤاد ہے۔ فؤاد فائدہ سے مشتق ہے کیونکہ اس سے بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے فوائد دیکھ لیتا ہے۔ فؤاد رؤیت سے مستفید ہوتا ہے اور قلب علم سے لذت حاصل کرتا ہے۔ لیکن جب تک فؤاد نہ دیکھے، قلب علم سے نفع حاصل نہیں کر سکتا۔ جیسے اندھے کا علم گواہی کے وقت اسے فائدہ نہیں دے سکتا اگرچہ وہ عادل ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ رؤیت سے محروم ہے۔البتہ بعض مالکی فقہاء نے نابینا کی شہادت کو بھی جاءز قرار دیا ہے۔امام قرطبیؒ سورت یوسف کی آیت: وَمَا شَهِدْنَآ إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا [58] کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ شہادت کا مدار علم پر ہے، علم خواہ کسی طریق سے حاصل ہو، اس کے مطابق شہادت دی جاسکتی ہے۔اس لیے کسی واقعہ کی شہادت جس طرح اس کو بچشم خود دیکھ کر دی جاسکتی ہے اسی طرح کسی معتبر ثقہ سے سن کر بھی دی جاسکتی ہے، شرط یہ ہے کہ اصل معاملے کو چھپائے نہیں، بیان کر دے کہ یہ واقعہ خود نہیں دیکھا، فلاں ثقہ آدمی سے سنا ہے، اسی اصول کی بناء پر فقہائے مالکی نے نابینا کی شہادت کو بھی جائز قرار دیا ہے۔[59]

محض علم کی بنیاد پر شہادت کی دوسری مثال امت محمدیہ کا قیامت والے دن سابقہ امتوں بارے گواہی دینا بھی ہے، تب سابقہ امتیں کہیں گی تمہیں کیسے پتہ چلا؟ امت محمدیہ کہیں گے کہ ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے کتاب اللہ میں خبر دی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو لایا جائے گا۔آپ ﷺ سے اپنی امت کا احوال پوچھا جاوے گا تو آپ ﷺ اپنی امت کی عدالت کی گواہی دیں گے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍۭ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا[60]

"پھر جب ہم ہر امت میں سے گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے لاءیں گے، تو ان کا کیا حال ہوگا"[61]

قرآن مجید میں فؤاد اور قلب کی صفت تقلب کے ساتھ بھی بیان ہوءی ہے جیسے فرمایا: وَنُقَلِّبُ أَفْـِٔدَتَهُمْ وَأَبْصَٰرَهُمْ دوسری جگہ فرمایا: يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ ٱلْقُلُوبُ وَٱلْأَبْصَٰرُ فؤاد کا اتار چڑھاؤ ادراک کی طاقتوں کا تقلب ہے اور قلب کا تقلب ارادے کی طاقتوں کا تقلب ہے۔ فؤاد کا تقلب معرفی (علمی) اور قلب کا تقلب وجدانی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کی نعمتوں اور فضل کی یاد دہانی کا تذکرہ آتا ہے تو فؤاد، سماعت اور بصارت کا ذکر آتا ہے۔ جب قلب پر مہر لگتی ہے تو اس میں فؤاد بھی شامل ہوتا ہے گویا ادراک کی طاقت اور نیکی کے حصول کے لیے قلب کی دیگر قوتیں بھی مہر زدہ ہو جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے جانوروں کا قلب بنایا لیکن فؤاد نہیں کیونکہ فؤاد جواب دہ ہے، فرمایا: إِنَّ ٱلسَّمْعَ وَٱلْبَصَرَ وَٱلْفُؤَادَ كُلُّ أُوْلَٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔولًا[62] اہل علم واہل فکر کا اس بات پر اجماع ہے کہ محاسبہ انسان سے دراصل عقل کی وجہ سے کیا جاءے گا۔ جانوروں کے پاس قلب ہے لیکن عقل نہیں، سو وہ جواب دہ بھی نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا فؤاد ہی قلب ہے؟ یا فؤاد قلب کا حصہ ہے؟ یا قلب فؤاد کا حصہ ہے؟ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ فؤاد قلب کا جزء ہے، وجوہات درج ذیل ہیں:

1۔ فؤاد کو ادراک کی قوتوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور قلب کو ارادے کی طاقتوں کے ساتھ۔

2۔ قلب جانوروں کے پاس ہے لیکن ان کے پاس عقل نہیں ہے، کیونکہ وہ فؤاد میں ہوتی ہ۔ جانوروں کے کان، آنکھ اور قلب ہے لیکن انہیں فؤاد نہیں دیا جاتا کہ وہ قلب میں سے ہے۔

3۔ کافروں کو جانوروں سے تشبیہ دی گءی ہے کہ ان کے قلب، کان اور آنکھیں ہیں لیکن ان سے وہ سمجھ، سماعت اور بصارت کا کام نہیں لیتے کیونکہ جانور کے قلب میں فؤاد کی کمی ہوتی ہے۔

اَللُّب:

لُب سے مراد اندرونی حصہ ہے، کتاب العین میں ہے: (لب كل شيء من الثمار: داخله) پھلوں میں سے ہر چیز کا لب اس کا داخل یعنی اس کا اندرونی حصہ ہے جیسے بادام کا مغز، مزید لکھتے ہیں: (ولب الرجل ما جعل في قلبه من العقل) آدمی کا لب وہ ہے جو اس کے قلب میں عقل رکھی گءی ہے، وہی لب کہلاتا ہے۔ لُب کی جمع اَلباب ہے۔ لباب کا لفظ جامع ہے جو انسان کے علاوہ

بھی ہر ایک کے لیے مستعمل ہے۔گندم اور پستہ دونوں کے گودے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ہر چیز کے خالص پن کو بھی لباب کہا جاتا ہے۔ جیسے کسی نے کہا: (و اهل العز والحسب اللباب)"اور عزت والے اور خالص حسب والے"[63] صاحب الفروق اللغویہ لکھتے ہیں کہ اہل لغت کے ہاں لب اور عقل برابر ہیں، اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے مختلف طریقوں سے فاءدہ اٹھاتا ہے۔اس کی مثال لفظ "القول" ہے کہ اگرچہ اسی کو "کلام" کہتے ہیں لیکن ان میں سے بھی ہر ایک دوسرے سے مختلف طریقوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔[64] صاحب الفروق ایک جگہ عقل اور لب کا یوں فرق بیان کرتے ہیں کہ "جب ہم 'لب' کا لفظ بولتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کے لیے یہ لفظ بولا گیا ہے، یہ اس کی خالص صفات میں سے ہے اور جب عقل کا لفظ بولتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کے لیے بولا گیا ہے یہ اس کی صفات کا احاطہ کرتا ہے۔اس اعتبار سے لب عقل سے مختلف ہوتا ہے۔ کسی چیز کا لباب اور لب اس کا خالص حصہ ہوتا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے معانی سے موصوف ٹھرانا جاءز نہیں ہے جن سے بعض دوسرے سے خالص ہوں، تو اسے لب سے موصوف ٹھرانا بھی درست نہیں۔[65]

ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: (لب النخلة: قلبها و خالص كل شيء لبه، واللباب طحين مرقق) مزید لکھتے ہیں کہ لَب لام کی زبر کے ساتھ معنی ہوگا "الطاعة"۔اللب واحد ہے، تثنیہ میں رفعی حالت لَبّان، نصبی اور جری حالت میں لَبَّین آتا ہے۔[66]

التعریفات میں ہے: (اللب: هو العقل المنور بنور القدس ، الصافي عن قشور الاوهام و التخيلات)"لب سے مراد ایسی عقل جسے پاک نور سے روشن کر دیا گیا ہو، اور وہ وہم اور تخیلات کے چھلکوں سے پاک ہے"[67] صاحب الکلیات لکھتے ہیں:(ومن اسماء العقل : اللب لانه صفوة الرب و خلاصته)، دوسری جگہ لکھتے ہیں: (اللب: العقل الخالص من الشواءب و قيل ما ذكا من العقل فكل لب عقل ولا عكس ولهذا عقل الله الاحكام التى لا تدركها الا العقول الذكية باولى الالباب)[68] قرآن مجید میں اولی الالباب کا مرکب سولہ (16) دفعہ آیا ہے، جس میں چار بنیادی معانی بیان کیے گئے ہیں: التقوی، التذکر والتدبر، التفکر والاعتبار، حسن الاتباع۔ یہ تمام معانی عقل سلیم اور فہم سلیم سے ہی سمجھے جا سکتے ہیں۔

محمد رشید رضا لکھتے ہیں: "سماع کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آپ سنیں اور سمجھیں، سوچیں اور غور کریں، پس اعتبار کریں اور عمل کریں"[69] صاحب تاج العروس لکھتے ہیں: "مکہ مکاکۃ سے ماخوذ ہے اور یہ لُب اور مخ ہے جو ہڈی کے درمیان میں ہوتی ہے۔مکہ کا یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ دنیا کے وسط میں واقع ہے۔"[70]

صاحب تاج العروس کے دو شعر ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

ثعلب کا شعر ہے:

لو كنت ذا لب تعيش به لفعلت فعل المرء ذى اللب

"اگر تو عقل والا ہوتا تو تو اس کے ساتھ زندگی گزارتا اور ایک دانش مند جیسا کام کرتا"

مزید ایک شعر ہے:

اما الفخامة او خلق النساء فقد اعطيت منه لو ان اللب محتنك

"جہاں تک خوبصورتی یا عورتوں جیسی اداؤں کی بات ہے تو تجھے یہ خوبیاں دی گءی ہیں بشرطیکہ عقل مہذب ہو"[71] لب خالص قلب کو کہتے ہیں، اور خالص قلب کو عقل سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ لبیب سے مراد عاقل ہے اور ملبوب سے مراد الموصوف بالعقل ہے۔[72] ہر مادۃ میں خالص چیز اس کا قلب ہوتا ہے اور انسان میں قلب کا خالص اس کی عقل ہے۔ عقل کا نام لب رکھا گیا ہے کیونکہ تقریر قلب کی قوتوں میں سے ایک قوت کو مخاطب کرتی ہے اور وہ عقلی قوت ہے، پس لب بنیاد ہے جو لزوم اور ثبات کے معانی کے گرد گھومتی ہے۔[73]

قرآن مجید میں لُب کا استعمال:

قرآن مجید میں لب کا لفظ اسم اشارہ کی طرف مضاف بن کر صیغہ جمع میں استعمال ہوا ہے، جو اختصاص اور استحقاق پر دلالت کرتا ہے۔اس کی مثال یوں ہے: (و انه لذو علم لما علمناه)[74] لذو علم سے مراد صاحب علم ہے اور یہ لفظ عالم سے ارفع ہے۔لفظ لب کا قرآن مجید میں صیغہ جمع میں استعمال ہونے میں بلاغت کا ایک نکتہ یہ ہے کہ نطق میں بوجھل پن کو دور کر دیا گیا ہے۔اولی الالباب کو کچھ ایسی صفات عطا کی گئی ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں، وہ صفات درج ذیل ہیں:

1۔ایمان: يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ[75]

2۔ ہدایت: هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ [76]

3۔ تقویٰ: فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ[77]

4۔ علم: وَلِيَعْلَمُوٓا۟ أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ[78]

5۔ تفکر و تدبر: لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ[79]

6۔ عبرت حاصل کرنا: لَقَدْ كَانَ فِى قَصَصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ ۗ[80]

قرآنی آیات میں تفکر کے درجہ سے اعلیٰ تر درجہ تذکر کا ہے، اور یہ عملی چیز ہے جو آیات کونیہ میں ہوتی ہے۔اسی طرح تذکر علم اور ایمان کے مراتب میں سے سب سے اعلیٰ ہے۔ہر وہ شخص جو ایمان رکھتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ نصیحت حاصل کرے کیونکہ نصیحت حاصل کرنا بعد کی سطح ہے، جو ایمان میں اس کی پہلی سطح سے زیادہ اضافے کی نشاندہی کرتی ہے۔جو شخص علم رکھتا ہے ضروری نہیں کہ وہ نصیحت حاصل بھی کرتا ہو، جبکہ جو نصیحت حاصل کرتا ہے تو وہ ضمناً عالم بھی ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ اس نے نصیحت حاصل کی۔

لُب خالص قلب بلکہ خالص عقل کی نمائندگی کرتا ہے۔تذکر فقہ، عقل اور رؤیت سے بھی اعلیٰ ہے۔ تفکر کی مثال قرآن مجید میں آیات قصاص ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ[81]

"اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔"

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کمزور بندے کو تکلیف پہنچانا رحمت الٰہی کے کمال کے لیے کیسے مناسب ہے؟

آیتِ قصاص میں اللہ تعالیٰ نے قصاص کے احکام بیان کرنے کے بعد آگے قانون سازی کی حکمت کا یوں ذکر فرمایا ہے:

وَلَكُمْ فِى ٱلْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ[82]

"اور اے اصحابِ دانش! قصاص میں (درحقیقت) تمہارے لیے زندگی ہے، تاکہ تم (دنیا میں قتل اور آخرت میں عذاب سے) بچ سکو۔"

دراصل اولی الالباب ہی سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اس دنیا میں اپنے تجربات کے نتائج، لوگوں کے رویے اور ان کے معاشرتی رسم و رواج کے بارے میں ان کی سمجھ کو دیکھتے ہیں اور وہ سزا کے خوف اور اس کے نتیجے میں ہونی والی روک تھام کے اثرات کو جانتے ہیں۔اگر کوئی شخص اپنے دشمن کو مارنا چاہتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ قصاص میں اسے بھی قتل کر دیا جاءے گا تو یہ جرمِ قتل کے سرزد ہونے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔کیونکہ عاقل شخص دوسروں کو تباہ کر کے اپنے آپ کو تباہ نہیں کرنا چاہتا۔اگر وہ اس بات سے ڈرتا ہے تو اس کا خوف اس کے لیے اور دوسروں کے لیے زندگی کے تسلسل کا ذریعہ بنے گا۔غیر عاقل شخص نہ ڈرتا ہے اور نہ اسے احکامِ الٰہی کے اسرار کا ادراک ہو پاتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اولی الالباب کو اپنی قانون سازی کی حکمت کو سمجھنے کے لیے نامزد کیا ہے۔تذکر اور تفکر دو ایسی چیزیں ہیں جو معرفت کی اقسام اور ایمان احسان کے حقاءق کو پیدا کرتی ہیں۔عارف شخص ہمیشہ تفکر کے ساتھ تذکر کی طرف لوٹتا ہے اور تذکر کے ساتھ تفکر کی طرف لوٹتا رہتا ہے حتّٰی کہ اس پر ایمان اور احسان کے حقاءق منکشف ہو جاتے ہیں۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"تفکر دراصل اپنے اصولوں کا مقصد تلاش کرنا ہے، جو مقصد کے حصول کے لیے بصیرت کی تلاش میں ہے۔تذکر ذکر سے باب تفعل کا مصدر ہے اور نسیان کی ضد ہے یعنی قلب میں علمی صورتوں کے ذکر کا مستحضر ہونا۔تذکر کے لیے باب تفعل کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ یہ مہلت کے بعد اور درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے جیسے تصبر، تفہم اور تعلم۔"[83]

اولو الالباب ہی صاحب عقول کا خلاصہ ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو تفکر و بصیرت سے وہ کچھ پا لیتے ہیں، جن پر دوسروں کی قدرت نہیں ہوتی۔اولو الالباب رحمٰن کے خاص بندے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اطاعت کی توفیق دیتے ہیں، تقوٰی کا سامان ان کا زادِ راہ ہوتا ہے۔وہ ایمان لاتے ہیں، علم رکھتے ہیں پھر وہ تفکر و تدبر کرتے ہیں تو رحمٰن انہیں شریعت کے اسرار اور احکام کے حکمتوں سے بہرہ ور فرما دیتے ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يُؤْتِى ٱلْحِكْمَةَ مَن يَشَآءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ ٱلْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِىَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ[84]

"اللہ جسے چاہتے ہیں دین کی سمجھ عطا کرتے ہیں اور جس کو دین کی سمجھ دے دی گءی، اسے بڑی نعمت سے نواز دیا گیا اور عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔"

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"لفظ حکمت جب حق تعالیٰ کے لیے استعمال کیا جائے تو معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے تو موجودات کی صحیح معرفت اور اس کے مطابق عمل مراد ہوتا ہے۔[85]

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: "لفظ حکمت کی قرآن مجید میں مختلف تعبیریں کی گ ءی ہیں، کسی جگہ اس سے مراد قرآن ہے، کسی جگہ حدیث، کسی جگہ علم صحیح، کہیں عمل صالح، کہیں قول صادق، کہیں عقل سلیم، کہیں فقہ فی الدین، کہیں اصابتِ رائے اور کہیں خشیۃ اللہ اور آخری معنی تو خود موقوف حدیث میں بھی مذکور ہے، سیدنا عبداللہ بن مسعود کا قول ہے: راس الحکمة مخافة الله [86]یعنی اصل حکمت اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے اور آیت وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ[87] میں حکمت کی تفسیر صحابہؓ اور تابعینؒ سے حدیث و سنت منقول ہے، اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ زیر نظر آیت 'یؤت الحکمة' میں یہ سب چیزیں مراد ہیں۔"[88] حکمت کے لغوی مفہوم میں کسی کام کو ٹھیک طور پر سرانجام دینے کا طریق کار بھی ہے یعنی کسی حکم کی تعمیل میں صحیح بصیرت اور درست قوت فیصلہ ہے۔

قلب، لُب اور فؤاد میں فرق:

قلب فقہ اور عقل کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، لُب تذکر کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور فؤاد رؤیت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں اس حقیقت کو نمایاں کیا گیا ہے کہ قرآنِ مجید میں "قلب" محض جسمانی عضو کا نام نہیں، بلکہ انسان کے اندر فہمِ حق، قبولِ نصیحت، ارادہ، ایمان، اور اخلاقی تشکیل کا بنیادی مرکز ہے۔ آغاز میں لفظ "قلب" کے قرآنی ورود اور صیغہ جاتی استعمالات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن اس لفظ کو ایک جامع عنوان کے طور پر استعمال کرتا ہے، جس کے تحت باطن کی متعدد کیفیات و قوتیں آجاتی ہیں۔ پھر اسلوبِ قرآن کے حوالے سے یہ اصول واضح ہوا کہ کئی مقامات پر "عضو" کے ذکر سے اس کی "قوت" یا "فعل" مراد ہوتا ہے، لہٰذا "قلب" کا ہونا تب مفید ہے جب وہ وحی و نصیحت کے ادراک اور قبول کی صلاحیت رکھتا ہو۔ فصل کے بنیادی نتائج میں یہ نکتہ مرکزی ہے کہ قرآن نے معرفت کے ذرائع کو نمایاں طور پر سماعت، بصارت اور قلب کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور جہاں ان قوتوں سے فائدہ نہ اٹھایا جائے وہاں انسان کے اندر موجود دل، آنکھ اور کان محض ظاہری وجود بن کر رہ جاتے ہیں۔ اس پس منظر میں "قلب" کے مترادفات کی بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی تعبیرات باطن کی مختلف سطحوں اور افعال کو الگ الگ لفظی سانچوں میں بیان کرتی ہیں:

1. **صدر**: باطنی واردات کا وسیع میدان ہے جہاں وسوسے، خواہشات، شبہات، کینہ، تکبر، اور حق کے لیے تنگی یا کشادگی کی کیفیات ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی لیے شرحِ صدر، ضیقِ صدر اور آزمائشِ صدور کی تعبیرات میں تربیت، تزکیہ اور ہدایت و ضلالت کے نفسیاتی پہلو سامنے آتے ہیں۔
2. **قلب**: ایمان کے نور اور اخلاقی و ارادی کیفیات کا گہرا مرکز ہے۔ اعمال کی قدر و قیمت نیت سے جڑتی ہے، اور نیت کا تعلق قلب سے ہے۔ قلب کی پاکیزگی و بیماری کے بیان سے ایمان، نفاق اور کفر کی باطنی حقیقتیں واضح ہوتی ہیں۔
3. **فؤاد**: شدتِ احساس اور لطیف ادراک و بصیرت کے پہلو سے متعلق ہے۔ قرآن میں اسے سماعت و بصارت کے ساتھ لا کر انسانی جواب دہی اور معرفت کے نظم میں شامل کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر فؤاد کو "رؤیت" اور باطنی مشاہدہ کے قریب رکھا گیا ہے، جس سے احسان اور قلبی بیداری کی جہت روشن ہوتی ہے۔
4. **لُب**: عقلِ خالص اور صفائے فہم کی علامت ہے۔ "اولوالالباب" کی صفات بتاتی ہیں کہ حقیقی عقل وہ ہے جو تقویٰ، تدبر، تذکر اور حسنِ اتباع کی طرف لے جائے، اور قانونِ الٰہی کی حکمتوں کو سمجھ کر زندگی میں خیر پیدا کرے۔

مختصراً کہ یہاں قرآنی اصطلاحات کی روشنی میں "دل" کے تصور کو ایک منظم معنوی نقشہ دیا گیا ہے: صدر (وسیع باطن و واردات)، قلب (ایمان و ارادہ و فہم)، فؤاد (لطیف ادراک اور بصیرت)، اور لُب (عقلِ خالص اور تذکرِ عملی)۔ اس سے یہ جامع نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن کے نزدیک انسانی معرفت اور اخلاقی ذمہ داری کا مدار صرف ذہن پر نہیں، بلکہ قلبی نور، باطنی تزکیہ، اور ادراکی، اخلاقی قوتوں کے درست استعمال پر منحصر ہے۔

---

[1] الزخرف32:43
[2] یوسف12: 76
[3] ق37:50
[4] ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی،ابو الفضل،الافریقی، لسان العرب، دار احیائ التراث العربی، بیروت لبنان، 1999 ،ج 1 ، ص 529
[5] بخاری، محمدبن اسماعیل، ابو عبد اللہ، صحیح البخاری، دار السلام للنشر و التوزیع ریاض،حدیث نمبر 1

[6] الانعام6 : 112
[7] آل عمران3: 154
[8] اعراف7: 2
[9] الحجر15 : 97
[10] الشعراء26 : 13
[11] انشراح 94 : 1
[12] ابو حیان، محمد بن یوسف ، الاندلسی، تفسیر البحر المحیط،دار الکتب العلمیه بیروت لبنان، 8/ 487
[13] الزمر 39 : 22
[14] الانعام 6 : 125
[15] النحل 16 : 106
[16] الانعام 6 : 125
[17] شفیع ، مفتی ، محمد ،معارف القرآن ،ادارۃ المعارف کراچی،2012 ج 3 ، ص 444
[18] رحمانی ، سیف اللہ ، مولانا، آسان تفسیر قرآن مجید ، زمزم پبلشرز، ج 1 ، ص 320
[19] طه20 : 25
[20] الاعراف 7 : 43
[21] قرطبی، محمد بن احمد ، ابو عبد اللہ ، الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، مطبعة دار الکتب المصریه، 1964، ج 7 ، ص 208
[22] الحشر 59 : 10
[23] المدثر 74 : 31
[24] کیلانی، عبد الرحمن، مولانا، تیسیر القرآن، مکتبة السلام، 2010، ج ۴ ، ص 551
[25] غافر 40 : 56
[26] قرطبی ، الجامع لاحکام القرآن، ج 15، ص 323
[27] العنکبوت 29 : 49
[28] الحج 22 : 46
[29] سید قطب، فی ظلال القرآن ، دار العلم للطباعة و النشر جده،1986 ، ج 4 ، ص 768
[30] آل عمران 3 : 29
[31] طبری، محمد بن جعفر ، ابو جعفر، جامع البیان فی تاویل القرآن، مؤسسة الرسالة، 2000، ج 23، ص 178
[32] ابن ابی حاتم، عبد الرحمن بن محمد، ابو محمد، المراسیل، مؤسسة الرسالة بیروت، 1977 ، ج 16 ، 45
[33] طبرانی، سلیمان بن احمد، ابوالقاسم،المعجم الصغیر، المکتب الاسلامی دار عمار بیروت لبنان، 1975 ،
[34] المظهری،ثنائ اللہ، محمد، التفسیر المظهری، مکتبة الرشیدیة الباکستان،1412 هـ، ج 9 ، ص 192
[35] النساء 4 : 142
[36] مفتی شفیع،معارف القرآن ، ج 8 ، ص 307
[37] التحریم 66 : 8
[38] الحدید 57 : 13
[39] الازدی، محمد بن الحسن بن درید، ابو بکر، جمهرة اللغة، دار العلم للملایین بیروت لبنان، 1987 ، ج 2 ، ص 1078
[40] ابن فارس، احمد بن فارس بن زکریا، ابو الحسین ، مجمل اللغة، مؤسسة الرسالة بیروت، 1986 ،ص 406
[41] ابو البقائ الحنفی ،ایوب بن موسیٰ، الکلیات الکفوی معجم فی المصطلحات و الفروق اللغویة، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان، س ن ، ص 696
[42] الاسراء 17 : 36
[43] النحل 16 : 78
[44] ابن کثیر ،اسماعیل بن عمر ، ابو الفدائ ، تفسیر القرآن العظیم ، دار الفکر ، 1994، ج 2 ، ص 715
[45] ابن عاشور ، التونسی ،محمد الطاهر بن محمد،التحریر و التنویر ، مؤسسة التاریخ العربی بیروت لبنان، ج 7 ص 232
[46] الاعراف 7 : 179
[47] صدیق حسن خاں ، ابو الطیب، فتح البیان، المکتبة العصریة ، ج 7 ، ص 97
[48] اصفهانی، راغب،حسین بن محمد،ابو القاسم، المفردات فی غریب القرآن، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز، س ن، ص 248
[49] الانعام 6 : 104
[50] التکاثر 102 : 7
[51] النجم 53 : 11
[52] الملک 67 : 29

OPEN ACCESS

[53] الفرقان 25 : 32
[54] الکہف 18 : 14
[55] القصص 28 : 10
[56] بخاری، صحیح بخاری ، ح 48
[57] ابن رجب، عبد الرحمن بن احمد،البغدادی، جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم، مؤسسة الرسالة بیروت، 2001 ، 126/1
[58] یوسف 12 : 81
[59] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج 3 ، ص 421
[60] النساء 4 : 41
[61] رازی، محمد بن عمر، ابو عبد الله ، فخرالدین، مفاتیح الغیب-التفسیر الکبیر، دار احیائ التراث العربی بیروت، 1420 ھ، ج 10 ، ص 83
[62] الاسراء 17 : 36
[63] الفراہیدی، خلیل بن احمد ، ابو عبد الرحمن، کتاب العین، دار و مکتبة الهلال، س ن ، 317/8
[64] العسکری ، الحسن بن عبد الله ، ابو ہلال، الفروق اللغویة، دار العلم و الثقافة للنشر و التوزیع القاهره مصر، س ن ، ص 25
[65] الفروق اللغویه: ص 84
[66] ابن منظور ،لسان العرب: 729,731/1
[67] الجرجانی ، علی بن محمد ، الشریف، العلامة،کتاب التعریفات، مکتبة بیروت لبنان، 1985، ص 191
[68] الکلیات الکفوی، ص 798
[69] رشید رضا ، محمد، تفسیر المنار ، دار النوادر للنشر و التوزیع، 2013 ، 574/9
[70] الزبیدی، مرتضی، الحسینی، السید ، محمد ،تاج العروس من جواهر القاموس، مطبعة حکومة الکویت، 1965، 346/27
[71] تاج العروس: 140/17,149/27
[72] الازدی،جمهرة اللغة : 38/1
[73] ابن فارس ، احمد بن فارس ، ابو الحسین، مقاییس اللغة ، دار الفکر، 1979 454/2
[74] یوسف 12: 68
[75] آل عمران 3: 7
[76] غافر 40: 54
[77] المائدة : 5: 100
[78] ابراهیم 14: 54
[79] ص 38: 29
[80] یوسف 12: 111
[81] البقرة 2 : 178
[82] البقرة 2 : 179
[83] ابن قیم، محمد بن ابی بکر، الجوزیة، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد و ایاک نستعین، دار الکتاب العربی بیروت لبنان، 1973،ص 442
[84] البقرة 2 : 269
[85] اصفهانی، مفردات الفاظ القرآن ، ج 1 ، ص 205
[86] البیهقی، احمد بن الحسین، الخراسانی، شعب الایمان، مکتبة الرشد للنشر و التوزیع ریاض،ج 1 ، ص 729
[87] الجمعة 62 : 2
[88] ابو حیان ،تفسیر بحر المحیط، ج 2 ، ص 320

CC BY